خطبۂ مدراس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء بروز ہفتہ جماعتِ اسلامی ہند کے سالانہ حلقہ جاتی اجتماع مدراس میں کیا گیا محترم مولانا مودودیؒ کا اختتامی مگر تاریخی خطاب۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رفیقو اور دوستو! اس وقت ہم ہندوستان کی تاریخ کے ایک بہت نازک اور فیصلہ کن مرحلے سے گزر رہے ہیں اور یہ مرحلہ جس طرح ہندوستان کے باشندوں کی قسمت کے لیے فیصلہ کن ہے اسی طرح ہماری اس تحریک کے لیے بھی فیصلہ کن ہے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس موقع پر ہم پوری ہوشمندی کے ساتھ اپنے اس مقصد کو جس کے لیے ہم کام کرنا چاہتے ہیں، اور ان حالات کو جن میں ہمیں کام کرنا ہے، اور اس رخ کو جس کی طرف یہ حالات جا رہے ہیں اور جس

میں سے ہمیں اپنا راستہ نکالنا ہوگا، اچھّی طرح سمجھ لیں، اور ہمارا ہر کارکن پوری بصیرت کے ساتھ یہ جان لے کہ موجودہ اور آئندہ حالات میں اسے کس حکمتِ عملی پر کاربند ہونا ہے۔

ہماری اس تحریک کا مقصد، جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، صاف اور واضح الفاظ میں یہ ہے کہ ہم اس صحیح طریقِ زندگی کو جس کا نام اسلام ہے انفرادی اور اجتماعی طور پر عملاً قائم کریں، اپنے قول و عمل سے اس کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ کریں، دنیا کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں کہ اسی طریقِ زندگی میں اس کے لیے فلاح اور سعادت ہے، اور موجودہ باطل نظاموں کی جگہ وہ نظامِ حق برپا کرنے کی جدوجہد کریں جو سراسر اس طریقِ زندگی پر مبنی ہو۔ اس مقصد کے لیے اگرچہ ہمیں کام تو ساری دنیا اور تمام نوعِ انسانی میں کرنا ہے، لیکن فطرۃً ہمارے کام کی جگہ وہی سرزمین ہے جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں، جہاں کی زبان ہماری زبان ہے، جہاں کے رسم و رواج سے ہم واقف ہیں، جہاں کی نفسیات سے ہم آشنا ہیں اور جہاں کی معاشرت سے ہمارا پیدائشی رشتہ ہے۔ خود پیغمبروں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے وطن ہی کو جائے عمل اور مقامِ دعوت قرار دیا تھا، حالاں کہ ان کا پیغام ساری دنیا کے لیے تھا، کسی پیغمبر کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ اپنے اس فطری حلقۂ کار کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے جب تک کہ اس کے اہلِ وطن اسے نکال نہ دیں یا وہ خود دعوت و تبلیغ میں انتہائی کوشش صرف کرنے کے بعد ان سے مایوس نہ ہو جائے۔ لہٰذا

ہماری اس جماعت کا فطری دائرۂ عمل بھی یہی سرزمین ہے جسے خدا نے ہماری سکونت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

پوری جماعت کا دائرۂ عمل پورا ملک، ہر علاقے کے ارکان کا دائرۂ عمل ان کا اپنا علاقہ، اور ہر شہر، قصبے یا گاؤں کے ارکان کا دائرہ ان کا اپنا وطن۔

ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ پورے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ جم کر دعوتِ اصلاح اور سعیٔ انقلاب میں منہمک رہے اور اپنے مقام سے ہرگز نہ ہٹے جب تک کہ اس کا وہاں رہنا قطعی غیر ممکن نہ ہو جائے۔ یا پھر وہاں دعوتِ حق کے بار آور ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہے۔ آنے والے حالات میں آپ بہت کچھ ہجرت و مہاجرت کی آوازیں سنیں گے اور بعید نہیں کہ عام رو کو دیکھ کر، یا خیالی اندیشوں سے سہم کر آپ میں سے بہتوں کے پاؤں اکھڑنے لگیں، لیکن آپ جس مشن کے حامل ہیں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آپ میں سے جو شخص جہاں ہے وہیں ڈٹ جائے اور اپنی دعوت کو اپنے ہی علاقے کی زندگی پر غالب کرنے کی کوشش کرے۔ آپ کا حال جہاز کے اس بہادر کپتان کا سا ہونا چاہیے جو آخر وقت تک اپنے جہاز کو بچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ڈوبتے ہوئے جہاز کو چھوڑنے والوں میں سب سے آخری شخص وہی ہوتا ہے۔ آپ جس مقصد پر ایمان لائے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ جس علاقے میں آپ رہتے ہیں وہیں کے نظامِ زندگی کو بدلنے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ اس علاقے پر آپ کا اور آپ پر اس علاقے کا حق ہے اور وہ حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ

اس کی اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں انھیں دور کرنے میں آپ اپنا پورا زور صرف کریں اور جس ہدایت سے آپ سرفراز کیے گیے ہیں اس کا فائدہ سب سے پہلے اسے پہنچائیں۔

ہندوستان میں اس وقت جو حالات رونما ہیں وہ بظاہر ہماری دعوت کے لحاظ سے نہایت مایوس کن ہیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ سب لوگوں پر ان کا دل شکن اثر پڑ رہا ہے۔ ملک کی مختلف قومیں خود غرضی میں بری طرح مبتلا ہیں اور قوم پرستی کا جنون بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ان سے وہ حرکات سرزد ہو رہی ہیں جنھیں اگر جانوروں سے بھی منسوب کیا جائے تو وہ اپنی توہین سمجھیں۔ قومی کشمکش نے جنگ کی اور جنگ نے وحشت و درندگی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ پہلے تو بات یہیں تک تھی کہ ہر قوم ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنا دعویٰ اور جوابِ دعویٰ پیش کر رہی تھی اور اس پر تلخ کلامی کا سلسلہ چل رہا تھا مگر اب نوبت یہ آگئی ہے کہ یہ مختلف قومیں ایک دوسرے کا نام و نشان تک مٹا دینے کے درپے ہیں۔ انھوں نے اپنی رہنمائی کا کام ایسے ایسے لیڈروں اور اخبار نویسوں کے سپرد کر دیا ہے جو انھیں ہر روز خود غرضانہ قوم پرستی کی شراب، نفرت و عداوت کا زہر ملا کر پلاتے ہیں اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی قومی خواہشوں کی وکالت میں انصاف اور اخلاق کی ساری حدوں کو پھاندتے چلے جاتے ہیں۔ اخلاقی تصورات کے لیے ان کے دلوں میں اب فی الواقع کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔ تمام اخلاقی معیارات قومیت کے تابع ہو گئے ہیں۔ جو کچھ

قومی مفاد اور قومی خواہشوں کے مطابق ہے وہی سب سے بڑا اخلاق ہے خواہ وہ جھوٹ ہو، خیانت ہو، ظلم ہو، سنگ دلی اور بے رحمی ہو، یا اور کوئی ایسی چیز ہو جو دنیا کے معروف اخلاقیات میں ہمیشہ سے بدی سمجھی جاتی رہی ہے، بخلاف اس کے سچائی، انصاف، دیانت، رحم، شرافت، انسانیت سب گناہ قرار پا چکے ہیں اگر وہ قومی مفاد کے خلاف پڑتے ہوں یا قومی خواہشوں کے حصول میں مانع ہوں۔

ان حالات میں کسی ایسی دعوت کے لیے کام کرنا سخت مشکل ہے جو قومیتوں کو نظر انداز کر کے انسانیت کو خطاب کرتی ہو، جو قومی خواہشوں کو چھوڑ کر خالص اصولِ حق کی طرف بلاتی ہو، اور قومی خود غرضیوں کو توڑ کر عالمگیر انصاف قائم کرنا چاہتی ہو۔ جنونِ قومیت کے اس دور میں ایسی دعوت کی آواز سننے کے لیے نہ ہندو تیار ہیں نہ مسلمان۔ مسلمان کہتے ہیں کہ تم ہماری قوم کے افراد ہو، تمہارا فرض تھا کہ قوم کے جھنڈے تلے کھڑے ہو کر قومی لڑائی لڑتے۔ یہ تم نے الگ جتھا بنا کر دین و اخلاق اور اصولِ حق کی رٹ کیا لگانا شروع کر دی۔ تمہاری اس صدائے بے ہنگام سے قوم کی طاقت منتشر ہوتی ہے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہم تمہیں قوم کا دشمن سمجھتے ہیں خواہ تمہاری دعوت اسی اسلام کی طرف ہو جس کا نام لے کر ہم یہ قومی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ دوسری طرف ہندوؤں کے پاس جائیے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات دل کو تو ضرور لگتی ہے مگر اس چھاچھ کو ذرا پھونک کر پینا چاہیے کیوں کہ یہ ہیں تو اسی قوم کے افراد جس سے ہماری لڑائی ہے، کیا خبر

کہ یہ اصولی دعوت بھی مسلمان قومیت ہی کو فروغ دینے کے لیے ایک دوسری تدبیر ہو۔

لیکن یہ حالات خواہ کتنے ہی حوصلہ شکن اور صبر آزما ہوں، بہر حال مستقل نہیں ہیں بلکہ عنقریب بدل جانے والے ہیں۔ اس وقت آپ کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ صبر اور حسنِ اخلاق سے اپنا کام کیے جائیں، اُلجھنے والوں کے ساتھ نہ الجھیں، نادان لوگوں کی مخالفتوں پر برافروختہ نہ ہوں، جن لوگوں میں دوست اور دشمن تک کی تمیز باقی نہیں رہی ہے اور جو لوگ جوشِ جنوں میں اب خود اپنے بھلے اور برے تک کا ہوش نہیں رکھتے وہ اگر جہالت اور جاہلیت پر اتر آئیں تو آپ شریف آدمیوں کی طرح ان کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور ان کی زیادتیوں کو خاموشی سے سہہ لیں۔ اس کے ساتھ آپ کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ معقول طریقے سے اپنی دعوت مسلم اور غیر مسلم سوسائٹی کے ان سب لوگوں تک پہنچائیں جو معقول بات کو سننے اور اس پر کھلے دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس طریقہ پر اگر آپ نے عمل کیا تو ایک طرف آپ کی اخلاقی برتری کا سکہ بیٹھ جائے گا اور دوسری طرف وہ ذہنی فضا ایک حد تک تیار ہو جائے گی جو آنے والے حالات میں مؤثر کام کے لیے ضروری ہے۔

جس تغیر کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ عنقریب ملک تقسیم ہو جائے گا، ہندوؤں کو ان کی اکثریت کے علاقے اور مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقے الگ الگ مل جائیں گے۔ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں پوری

طرح خودمختار ہوں گے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے اسٹیٹ کا نظام چلائیں گے۔ یہ بڑا تغیر اُس نقشے کو بالکل بدل دے گا جس پر اس وقت تک حالات چلتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسری قوموں کے مسائل اور ان کی نوعیتیں بالکل بدل جائیں گی۔ ان کو بالکل ایک دوسری ہی صورت حال سے سابقہ پیش آئے گا۔ جس ڈھنگ پر اس وقت تک انھوں نے اپنے قومی رویہ اور اپنی تحریکات اور جماعتی نظاموں کو قائم کر رکھا ہے وہ بڑی حد تک بے معنی اور ناکارہ ہو جائے گا۔ بدلے ہوئے حالات میں ان سب کو سوچنا پڑے گا کہ جو کچھ اب تک وہ کرتے رہے ہیں اس نے انھیں کہاں لا کھڑا کیا ہے اور اب اس نئے دورِ زندگی میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔ آج کے بنے اور جمے ہوئے عقیدے اس وقت مہمل ہو جائیں گے۔ آج کے خیالات اور تصوّرات کے لیے اس وقت کوئی جگہ نہ ہوگی۔ آج کے نعرے اس وقت کھوٹے سکے ہوں گے جنھیں کوئی مفت کو بھی نہ پوچھے گا۔ جن بنیادوں پر آج کی قومی تحریکیں اور جماعتیں قائم ہیں وہ خود بخود ڈھ جائیں گی۔ اس لیے صرف یہی نہیں کہ آج کی لیڈریاں اپنی طبعی موت مر جائیں گی بلکہ بعید نہیں کہ جو لوگ آج انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں کل وہی ان کو اپنے مصائب و آلام کا اصلی سبب سمجھنے لگیں۔

آنے والے اس دور میں ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کے حالات بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے، اور چوں کہ ہمیں

دونوں علاقوں میں کام کرنا ہوگا اس لیے ہمیں بھی اپنی تحریک کو دو مختلف طریقوں پر چلانا پڑے گا، بلکہ بعید نہیں کہ نظامِ جماعت کو بھی بڑی حد تک دو حصوں میں بانٹ دینا پڑے تاکہ ہر حصہ اپنے اپنے علاقے کے حالات کے مطابق مناسب پالیسی پر خود چل سکے اور اس کے لیے ضروری انتظامات خود کر سکے۔ جہاں تک مسلم علاقے کا تعلق ہے اس پر تو میں یہاں کوئی بحث نہیں کروں گا، کیوں کہ اس کے لیے موزوں مقام شمالی مغربی حلقہ کا اجتماع ہے جو عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ کے سامنے مجھے صرف ہندو ہندوستان کے مستقبل پر گفتگو کرنی ہے کہ یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کو آئندہ کن حالات سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور ان حالات میں آپ کو کس طرح کام کرنا ہوگا۔

سب سے پہلے مسلمانوں کے معاملہ کو لیجئے۔ ہندو اکثریت کے علاقہ میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کرلیں گے کہ جس قوم پرستی پر انھوں نے اپنے اجتماعی رویّہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انھیں بیابانِ مرگ میں لاکر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ، جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے، ایک ایسے نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لیے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔ جن جمہوری اصولوں پر ایک مدت سے ہندوستان کا سیاسی ارتقا ہو رہا تھا، اور جنھیں خود مسلمانوں نے بھی قومی حیثیت سے تسلیم کر کے اپنے مطالبات کی فہرست مرتب کی تھی، انھیں دیکھ کر بیک نظر معلوم کیا جا سکتا تھا کہ ان اصولوں

پر بنے ہوئے نظامِ حکومت میں جو کچھ ملتا ہے اکثریت کو ملتا ہے، اقلیت کو اگر ملتا بھی ہے تو خیرات کے طور پر دست نگر ہونے کی حیثیت سے، نہ کہ حق کے طور پر یا حریف و مدمقابل اور شریک کی حیثیت سے۔ یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت تھی، مگر مسلمانوں نے اس کی طرف سے جانتے بوجھتے آنکھیں بند کیں اور اس دوہری حماقت کا ارتکاب کیا کہ ایک طرف تو نظامِ حکومت کے لیے مغرب کے انہی جمہوری اصولوں پر راضی ہو گئے اور دوسری طرف خود اپنی طرف سے تقسیمِ ملک کا یہ اصول پیش کیا کہ جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور تم محکوم ہو، اور جہاں تم اکثریت میں ہو وہاں تم حاکم اور ہم محکوم ہوں۔ کئی سال کی تلخ اور خونریز کشمکش کے بعد اب یہ مرکب حماقت "کامیابی" کے مرحلے میں پہنچ گئی ہے اور جس چیز کے لیے اقلیت کے مسلمان خود لڑ رہے تھے وہ حاصل ہوا چاہتی ہے، یعنی اکثریت کی آزاد و خودمختار حکومت جس میں وہ بحیثیت ایک قوم کے محکوم ہوں گے اور محکوم بھی اس اکثریت کے جس سے وہ قومی جنگ لڑ رہے ہیں۔

جو اسٹیٹ اب مسلم اقلیت کے علاقوں میں بن رہی ہے وہ ہندوؤں کی قومی اسٹیٹ ہوگی۔ قومیت و جمہوریت کے جن نظریات کو مسلمان اور ہندو یکساں تسلیم کر کے اپنی قومی تحریکوں کی اساس بنا چکے ہیں، ان کی بنیاد پر کوئی قومی اسٹیٹ اپنے اندر کسی دوسری ایسی قوم کے وجود کو گوارا نہیں کیا کرتی جو حکمراں قومیت سے الگ اپنی مستقل قومیت کی

مدعی ہو اور پھر اس قومیت کے دعوے کے ساتھ اپنے مخصوص قومی مطالبات بھی رکھتی ہو۔ یہ چیز صرف اسی وقت تک چل سکتی تھی جب تک ملک عملاً ایک بیرونی قوم کا تھا اور ہندو اور مسلمان دونوں اس کے محکوم تھے۔ صرف اسی وقت یہ ممکن تھا کہ اقلیت بھی اکثریت کی طرح اپنی الگ قومیت کا دعویٰ کرے اور کم و بیش اپنے مستقل حقوق منوالے۔ مگر جب جمہوری اصول پر اہل ملک کی آزاد حکومت بن جائے گی تو ہندوستان اکثریت کی قومی اسٹیٹ بن کر رہے گا اور اس میں کسی اقلیت کی جداگانہ قومیت اور مخصوص قومی مطالبات کے لیے گنجائش نہ ہو گی۔ قومی اسٹیٹ ایسی کسی قومیت کو تسلیم کر کے اس کے مطالبے کبھی پورے نہیں کیا کرتی، بلکہ وہ پہلے تو یہ کوشش کرتی ہے کہ اسے تحلیل کر کے اپنے اندر ہضم کر لے، پھر اگر وہ اتنی سخت نکلتی ہے کہ ہضم نہ ہو سکے تو اُسے دبا دینا چاہتی ہے کہ جداگانہ قومی وجود اور اس کی بنا پر مستقل قومی مطالبوں کی آواز بلند ہونے ہی نہ پائے، اور بالآخر اگر وہ قومیت دباؤ کے نیچے بھی چیخے ہی چلی جائے تو پھر قومی اسٹیٹ اسے باقاعدہ فنا کرنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ یہی کچھ ہندوؤں کی قومی اسٹیٹ میں مسلم اقلیت کو پیش آنے والا ہے۔ اس کے سامنے بھی عملاً یہی تین راستے پیش کیے جائیں گے۔

یا تو اپنی جداگانہ قومیت کے دعوے اور اس کی بنا پر مستقل حقوق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر اسٹیٹ کی قومیت میں جذب ہو جائے۔

یا اگروہ اس کے لیے تیار نہ ہو تو ہر قسم کے حقوق سے محروم کر کے شودروں اور اچھوتوں کی سی حالت میں رکھی جائے۔

یا اس پر استیصال کا پیہم عمل جاری کر دیا جائے یہاں تک کہ قومی اسٹیٹ کے حدود میں اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

یہ لازمی نتیجہ ہے مغربی طرز کے ایک جمہوری نظام میں قومیت کی اساس پر اپنی سیاسی پالیسی کی عمارت اٹھانے کا۔ بصیرت کی آنکھیں اس نتیجہ کو اسی وقت دیکھ سکتی تھیں جب یہ پالیسی اختیار کی جارہی تھی اور نتیجہ ابھی بہت دور تھا۔ مگر اس وقت دیکھنے سے انکار کیا گیا اور دکھانے کی کوشش کرنے والوں کو دشمن سمجھا گیا۔ اب یہ نتیجہ بالکل سامنے آگیا ہے اور افسوس کہ اسے دیکھنا ہی نہیں بھگتنا بھی پڑے گا۔

مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے جو گروہ اس وقت پیش پیش ہیں ان میں سے ایک "نیشنلسٹ" مسلمانوں کا گروہ ہے جو آنے والے دور میں وہی پارٹ ادا کرے گا جو انگریزی دور میں خان بہادر طبقہ ادا کر چکا ہے یہ گروہ مسلمانوں کو دعوت دے گا کہ پہلی صورت کو برضا و رغبت قبول کر لیں، یعنی اپنی قومی انفرادیت کے دعوے اور محض حقوق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر سیدھی طرح اسٹیٹ کی قومیت میں مدغم ہو جائیں۔ اس گروہ کی بات اب تک تو نہیں چلی ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ آگے بہت کچھ چلنے لگے گی، کیوں کہ آئندہ یہی لوگ سرکار رس ہوں گے۔ انھیں کی مدد سے نوکریاں، ٹھیکے اور تعلیم گاہوں کی گرانٹ وغیرہ

ملا کریں گی اور یہی حکمراں قوم اور محکوم قوم کے درمیان واسطہ و وسیلہ بنیں گے۔ ان کی کوششیں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد کو اس حد تک گرالانے میں کامیاب ہوجائیں گی کہ وہ خود مہاشے اور ان کی بیویاں اور بیٹیاں شریمتیاں بنیں اور لباس، زبان معاشرت، خیالات، ہر چیز میں حکمراں قوم سے اس درجہ ہم رنگ ہوجائیں کہ ؎

تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

جس قوم کی ایک بڑی تعداد اس سے پہلے مسٹر اور مس بن چکی ہے آخر اس کے لیے اب یہ نیا تغیر ناممکن کیوں ہونے لگا، خصوصاً جب کہ آئندہ روٹی اور خوشحالی اور ترقی کا انحصار اسی پر ہوگا لیکن مجھے امید نہیں کہ مسلمان من حیث القوم اس طرح سپر ڈال دینے پر راضی ہوجائیں گے۔ قومی حیثیت سے اِن کی کوشش یہی ہوگی کہ اس جذب و انجذاب کی مزاحمت کریں۔

مزاحمت کے لیے وہ ابتداءً اسی گروہ کی طرف رجوع کریں گے جو اس وقت سیاسی میدان میں ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ مگر تجربہ بہت جلد ہی مسلمانوں کو بتا دے گا کہ اب وہ اس گروہ کی سیاست پر چل کر سیدھے تباہی کے گڑھے کی طرف جائیں گے۔ اکثریت کے قومی جمہوری اسٹیٹ میں رہ کر اگر اقلیت قومی جنگ لڑے گی تو ہر طرف سے پیسی اور کچلی جائے گی، زندگی کے ہر شعبے سے نکالی جائے گی، ہر قسم کے حقوق سے محروم کی جائے گی، اچھوتوں سے بھی بدتر حالت میں گرا دی جائے گی

اور پھر بھی اگر اس کی آواز اٹھتی رہی تو اسے اس طرح مٹایا جائے گا کہ اس پر نہ زمین روئے گی نہ آسمان۔

کہا جاتا ہے کہ اقلیت کے مسلمانوں کو اس انجام سے بچانے کے لیے تین ذریعے ہیں :

ایک یہ کہ پاکستان کی ریاست ہندوستان کی ریاست سے سودا کرے گی، یعنی وہ کہے گی کہ پاکستان کی ہندو اقلیت سے ہم وہی سلوک کریں گے جو تم ہندوستان کی مسلم اقلیت سے کرو گے اور اس طرح مسلمانوں کو وہی آئینی تحفظات مل جائیں گے جو ہندو پاکستان میں ہندوؤں کے لیے چاہیں گے۔ لیکن آغاز کار میں یہ تجویز خواہ کیسی ہی خوش آئند نظر آئے، مجھے یقین ہے اور تجربہ بتا دے گا کہ آگے چل کر یہ قطعاً ناکام ہوگی۔ ہم صاف دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں مغربی طرز سیاست کی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اس طرز سیاست کے جو نتائج مغرب میں نکل چکے ہیں وہی یہاں نکل کر رہیں گے۔ اقلیت کی جداگانہ قومیت اور قومی حقوق اور مطالبوں کو وہ مسلمانوں کی قومی اسٹیٹ زیادہ مدّت تک برداشت کر سکے گی اور نہ ہندوؤں کی قومی اسٹیٹ۔ خصوصاً جب یہ دونوں اقلیتیں اپنی اپنی ہم قوم بیرونی ریاست کی طرف استمداد کا ہاتھ پھیلائیں گی اور اپنے ملک کی حکومت کے بجائے بیرونی حکومت سے وفاداری، دلچسپی اور محبت کی پینگیں بڑھائیں گی تو ان کا وجود ہندوستان اور پاکستان دونوں کے

لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ ابتداء میں خواہ کیسے ہی اطمینان بخش آئینی تحفظات دونوں نے ایک دوسرے کی اقلیتوں کو دیے ہوں۔ رفتہ رفتہ عملاً ان کو ختم کر دیا جائے گا، روزمرّہ کے برتاؤ میں اقلیتوں کا استیصال کرنے والی پالیسی چل پڑے گی، دونوں حکومتیں اپنی اپنی قومی اقلیتوں کی خاطر ایک دوسرے پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گی اور بالآخر یا تو جنگ تک نوبت پہنچے گی ـــ جس کے نتیجہ کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی ـــ یا دونوں کو اس پر راضی ہونا پڑے گا کہ ایک حکومت ہندوؤں کے ساتھ اور دوسری حکومت مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ چاہے کرے۔

دوسرا ذریعۂ تحفظ یہ بتایا جاتا ہے کہ اقوامِ متحدہ کے نظام (UNITED NATIONS ORGANISATION) سے اس معاملہ میں مدد لی جائے گی۔ لیکن جو لوگ اس نظام کے مزاج کو کچھ بھی جانتے ہیں وہ بہ آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ذریعۂ تحفظ کے بل پر کوئی دبی ہوئی قوم کتنے دن جی سکتی ہے۔ اوّل تو اقوامِ متحدہ کے نظام سے مرافعہ کسی ایسے ہی معاملہ میں کیا جاسکتا ہے جس میں کوئی بہت بڑی اور نمایاں ظالمانہ کارروائی کی گئی ہو۔ روزمرّہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات خواہ مجموعی طور پر مل کر کتنا ہی بڑا ظلم بن جائیں، بہرحال اس نظام میں قابلِ مرافعہ قرار نہیں پاسکتے۔ نہ ان بظاہر معصوم پالیسیوں کو وہاں زیرِ بحث لایا جاسکتا ہے جو مغربی معیار کے لحاظ سے بالکل برحق ہوتی ہیں مگر ہمارے نقطۂ نظر سے مسلمانوں

کی حیات دینی و ملّی کو بالکل ختم کر دینے والی ہیں۔ پھر اس نظام نے اب تک تو یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ وہ بالکل بے لاگ انصاف کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کے ارکان صرف یہی نہیں دیکھتے کہ معاملہ بجائے خود کیسا ہے اور اس میں انصاف کا تقاضا کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شکایت جس حکومت کی گئی ہے اس سے ہماری اپنی حکومتوں کے تعلقات کیسے ہیں اور آیا اسے مطعون کرنا ہماری حکومتوں کی مصلحت کے مطابق ہے یا خلاف۔ اس لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ زمانہ میں نظام اقوام متحدہ کے اندر ہندوستان اور پاکستان کی اضافی پوزیشن کیا ہوگی اور کس کی بات وہاں زیادہ وزن دار ہوگی۔

تیسرا ذریعہ ہجرت اور تبادلۂ آبادی کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان خود ہندوستان چھوڑ چھوڑ کر پاکستان میں جا بسنے شروع ہوں، اور تبادلۂ آبادی کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حکومتیں باہمی قرارداد سے ایک نظم کے ساتھ اپنی اپنی ہم قوم آبادی کو اپنے علاقے میں منتقل کر لیں۔ ان میں سے پہلی صورت قابلِ عمل ہے مگر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ حل نہ کر سکے گی کیوں کہ اس صورت میں وقتاً فوقتاً صرف کھاتے پیتے لوگ یا بہت بر داشتہ خاطر افراد خاندان یا کچھ من چلے قسمت آزما لوگ ہی عمل کر سکیں گے۔ مسلمانوں کی عام آبادی جہاں اب بس رہی ہے وہیں بستی رہے گی اور اس کا کسی بڑے پیمانہ پر خود مہاجرت کرنا ممکن نہ ہوگا، اِلّا یہ کہ کسی وقت خدانخواستہ

وہ حالات پیش آجائیں جو بہار وغیرہ میں پیش آئے ہیں۔ رہی دوسری صورت، تو مجھے امید نہیں کہ آئندہ پچاس سال تک ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں اور ڈھائی تین کروڑ غیر مسلموں کو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر منتقل کرنے کا انتظام کر سکیں گی، خواہ وہ دل سے ایسا کرنا چاہیں تاہم اگر کوئی اس امید پر جینا چاہتا ہو تو ضرور جیئے۔

یہ ہے ان ذرائع کی حقیقت جن کی بنا پر یہ امید کی جا رہی ہے کہ قوم پرستانہ سیاست جس طرح انگریزی اقتدار کے دور میں چلتی رہی ہے، اسی طرح ہندوستان کی قومی حکومت بن جانے کے بعد بھی چل سکے گی۔ آج مسلمان اپنی جہالت اور کم نگاہی کی وجہ سے ان حقائق کو نہیں سمجھ رہے ہیں، مگر وہ وقت قریب ہے جب یہ حقائق خود اپنے آپ کو ان کی سمجھ میں اتار دیں گے اور اس وقت لامحالہ ان کو تین راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔

ایک یہ کہ نیشنلسٹ، مسلمانوں کی پالیسی قبول کر کے ہندو قومیت میں جذب ہونے پر تیار ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ مسلم قوم پرستی کی موجودہ روش پر بدستور چلتے رہیں یہاں تک مٹ جائیں۔

تیسرے یہ کہ قوم پرستی اور اس کے طور طریقوں اور اس کے دعووں اور مطالبوں سے توبہ کر کے اسلام کی رہنمائی قبول کر لیں جس کا تقاضا

یہ ہے کہ مسلمان اپنی قومی اغراض کے لیے سعی و جہد کرنے کے بجائے اپنی تمام کوششوں کو صرف اسلام کی اصولی دعوت پر مرکوز کریں اور من حیث القوم اپنے اخلاق، اعمال اور اجتماعی زندگی میں اس کی شہادت دیں جس سے دنیا یقین کر سکے کہ فی الواقع یہ وہ قوم ہے جو اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ محض دنیا کی اصلاح کے لیے جینے والی ہے اور درحقیقت جن اصولوں کو یہ پیش کر رہی ہے وہ انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نہایت اعلیٰ و ارفع اور اصلح بنا دینے والے ہیں۔

یہی آخری راہ مسلمانوں کے لیے پہلے بھی راہ نجات تھی اور اب بھی اسی میں ان کے لیے نجات ہے۔ میں کئی سال سے ان کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں۔ اگر یہ قوم پرستانہ سیاست کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اس راہ کو اختیار کرتے، اور جس طرح پچھلے دس سال میں انھوں نے اپنی پوری قومی طاقت کو اس راہ پر لگایا ہے اسی طرح کہیں اس راہ پر لگایا ہوتا تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے۔ لیکن اس وقت میری دعوت انھیں دشمن کی دعوت یا ایک دیوانے دوست کی دعوت محسوس ہوئی۔ اب واقعات انھیں گھیر کر ناچار مسلمان شو کے مقام پر خود کھینچ لائے ہیں۔ اب ان کے لیے زندگی کی راہ صرف ایک ہی رہ گئی ہے اور وہ اسلام کی اصلی اور حقیقی اور مخلصانہ اسلام کی راہ ہے۔

دوسری راہیں زندگی کی نہیں بلکہ خودکشی یا سزائے موت یا طبعی وفات کی راہیں ہیں۔

یہ وقت جس کے آنے کی میں خبر دے رہا ہوں اب بالکل قریب آگیا ہے جونہی کہ ہندوستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہوکر نیا دور شروع ہوا اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو اپنی واقعی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہوجائے گا۔ یہ ایک بڑی تحریک کے انہدام کا وقت ہوگا جو تحریک خلافت کے انہدام سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہوگا۔ تحریکِ خلافت کی ناکامی نے مسلمانوں پر جو جمود وانتشار طاری کیا تھا وہ اگرچہ نہایت نقصان دہ تھا مگر مہلک نہ تھا۔ اب اگر وہ کیفیت کہیں پھر طاری ہوئی تو قطعاً مہلک ثابت ہوگی۔ اپنے اس وقت تک کے رہنماؤں سے مایوس ہوکر کوئی صحیح رہنمائی اور کوئی شعاعِ امید اگر مسلمانوں نے نہ پائی تو ان پر گھبراہٹ اور طوائف الملوکی مسلط ہوجائے گی۔ کوئی "نیشنلسٹ" مسلمانوں کی طرف دوڑے گا، کوئی کمیونسٹ گروہ کی طرف لپکے گا، کوئی ہجرت کی تیاری کرے گا، کوئی مایوسی کی حالت میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے گا، اور کوئی دل برداشتگی کے عالم میں، یا محض احمقانہ جھنجھلاہٹ کی بنا پر، ہاری ہوئی قومی جنگ کو پھر تازہ کر کے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ اپنے ہزاروں لاکھوں بے گناہ بھائیوں پر بھی تباہی کا طوفان اٹھا لائے گا۔ اس نازک وقت کے لیے ابھی سے ایک ایسا منظم گروہ تیار رہنا چاہیے جو ہوش میں آنے والے مسلمانوں کے سامنے بروقت صحیح راہِ عمل پیش

کرسکے، ان کے مائل بانتشار قوتوں کو غلط کاریوں اور خام کاریوں سے بچاکر ایک روشن نصب العین کے گرد سمیٹ سکے، اور ان کو یاس کے بعد حقیقی کامیابیوں کی بشارت دے سکے۔ میری دعا ہے کہ آپ ہی کا یہ گروہ اس خدمت کے انجام دینے کی توفیق پائے اور اس وقت کے آنے سے پہلے اس حد تک طاقت ور، منظم اور مستعد ہو جائے کہ یہ خدمت انجام دے سکے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا ہندو ہندوستان کی اکثریت کے مستقبل کا بھی جائزہ لیں۔ میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔ میری اس بات کو بہت سے لوگ ایک غرق تخیل آدمی کا خواب سمجھتے ہیں، اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غالباً یہ تصوف کا کوئی نکتہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لیے کہ ان کو صریح طور پر یہ نظر آرہا ہے کہ غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط، متحد اور منظم بلاک بنی ہوئی ہے اس کے اندر کہیں کوئی خلل یا شگاف نہیں ہے جہاں سے اس کے ٹوٹنے کا امکان ہو، اس پر قوم پرستی کا نشہ پوری طرح مسلط ہے، ہندو انڈیا کا پورا نظام حکومت نہایت مستحکم طریقہ سے اس کے ہاتھ میں آچکا ہے اور جو تھوڑی سی کسر باقی ہے وہ عنقریب پوری ہوئی جاتی ہے۔ اس حالت کو دیکھتے ہوئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہاں اسلامی

انقلاب کا راستہ کدھر سے نکل آئے گا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ مضبوط بلاک جو آپ کے سامنے نظر آرہا ہے، اور بظاہر ٹھوس بھی محسوس ہوتا ہے اس کی ساخت کو ذرا سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ یہ کن اجزاء سے مرکب ہے اور ان کی پیوستگی کی نوعیت کیا ہے۔

ہندوستان کے ان کروڑوں غیر مسلموں کو جس چیز نے متحد اور منظم کیا ہے وہ کوئی مستقل نظریۂ حیات، کوئی مضبوط فلسفۂ زندگی اور کوئی شعوری نصب العین نہیں ہے کہ اس کا متزلزل ہونا اور بدل جانا مشکل ہو، بلکہ وہ محض ایک قوم پرستی کا جذبہ ہے جو ایک طرف اجنبی اقتدار کے خلاف اور دوسری طرف مسلم قوم پرستی کے مقابلہ میں بھڑکایا گیا تھا۔ قوم پرستی کا فطری خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف کسی مخالف و مزاحم اور مبارز طاقت ہی کے مقابلہ میں پیدا ہوا کرتا ہے، اس کی شدت مزاحمت ہی سے بھڑکتی ہے اور جب تک وہ طاقت مقابلہ میں موجود ہو اسی وقت تک باقی رہتی ہے۔ جونہی کہ مزاحمت ختم ہوئی اور قوم پرستی کا مقصد حاصل ہوا، یہ جذبہ آپ سے آپ دب جاتا ہے، اندرونی زندگی کے دوسرے اہم تر مسائل لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور وہ عناصر جو محض قوم پرستی کے جذبہ سے باہم پیوستہ ہوئے تھے، بکھرنے لگتے ہیں۔ ہندو قوم پرستی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے یہ جن دو پاؤں پر کھڑی ہوئی تھی ان میں سے ایک — یعنی انگریزی اقتدار سے نجات پانے کا جذبہ — عنقریب گرا چاہتا ہے۔ اس کے بعد صرف دوسرا پاؤں باقی رہ جاتا ہے

یعنی مسلم قوم پرستی کے مقابلہ کا جذبہ۔ سو پاکستان کے بن جانے کے بعد اس کا قائم رہنا بھی مشکل ہے، بشرطیکہ ہندو علاقے کی مسلمان اقلیت، اپنے مسئلے کو حل کرنے کی کوئی ایسی راہ نکال لے جس سے نہ تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی و نزاع کے اسباب پیدا ہوں اور نہ ہندوستان کے اندر مسلم قوم پرستی کے دعووں اور مطالبوں کو دبانے کے لیے ہندو قوم پرستی کے مشتعل ہونے کا کوئی موقع باقی رہے۔ یہ حکمت اگر خدا نے مسلمانوں کو عطا کر دی تو آپ دیکھیں گے کہ نیشنلسٹ لیڈر اور قومی اور مذہبی عصبیتوں کے مبلغین مصنوعی خطرے اور جعلی ہوّے پیش کر کر کے موجودہ قوم پرستی کو زندہ اور مشتعل رکھنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں، وہ بہر حال مر کے رہے گی اور وہ مختلف و متضاد عناصر، جن کی ترکیب سے یہ قوم پرست بلاک بنا ہے، بکھر کر رہیں گے۔ اس لیے کہ اس بلاک کے اندر خود اس کے اپنے عناصر ترکیبی کے درمیان جو تمدنی و معاشی بے انصافیاں جو معاشی جفاکاریاں، جو اغراض و مفاد کی کشاکشیں، اور جو طبقاتی منافرتیں موجود ہیں، وہ بیرونی خطرات کے ہٹتے ہی اپنے آپ کو بزور محسوس کرائیں گی اور ملک کے آئندہ انتظام، اختیارات کی تقسیم، حقوق کے تعین اور سماجی نظام کی تشکیل کے مسائل لامحالہ ان کو آپس میں پھاڑ دیں گے۔ اس تفرقہ کے لیے ایسے قومی اور فطری اسباب موجود ہیں کہ اسے رونما ہونے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

ہندوستان کا موجودہ سماجی نظام کچھ اس طرز پر بنا ہے کہ وہ بے شمار

طبقات پر مشتمل ہے جن میں سے بعض بعض پر چڑھے ہوئے۔ اور بعض ان سے دبے ہوئے ہیں۔ ان طبقوں کے درمیان پیدائشی برتری و پستی اور اٹل امتیازات کا تصور گہری جڑوں کے ساتھ جما ہوا ہے اور اس کو تناسخ کے فلسفے سے اور زیادہ مضبوط کر دیا گیا ہے۔ پست طبقوں کے حق میں یہ یقین پیدا کیا گیا ہے کہ وہ پستی ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ ان کے پچھلے کرموں کا لازمی نتیجہ ہے جسے انھیں بہر حال بھگتنا ہی پڑے گا، جسے بدلنے کی ہر کوشش بے سود ہے اور اونچے طبقوں کے حق میں یہ اذعان پیدا کیا گیا ہے کہ وہ پیدا ہی برتری کے لیے ہوئے ہیں، برتری ان کا حق اور ان کے پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے اور اس کو بدلنے کی کوشش قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اس سماجی نظام میں ہر اوپر کا طبقہ نیچے والے طبقہ کے سر پر پاؤں رکھے کھڑا ہے اور اسے روند رہا ہے۔ معاشرت کے ہر پہلو میں اونچ اور نیچ کا امتیاز ہے۔ قدم قدم پر بے شمار بے انصافیاں ہیں۔ تمدّن کے ہر گوشے میں امتیاز کا برتاؤ ہے خواہ کھانے پینے کا معاملہ ہو یا رہن سہن کا یا شادی بیاہ کا۔ اور امتیاز میں صرف تفریق ہی کا نہیں بلکہ تحقیر اور تذلیل کا عنصر بھی شامل ہے، حد یہ ہے کہ اونچے طبقے اس بات کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ نیچے طبقوں کے مرد اور عورتیں ان کے سے لباس اور زیور پہن لیں۔ حال ہی کی بات ہے کہ راجپوتانہ کے گوجروں اور جاٹوں نے اس بات پر ہنگامہ برپا کر دیا تھا کہ چمار وغیرہ نیچے طبقوں نے — جو جنگ کی وجہ سے خوشحال ہو گئے ہیں اور کچھ باہر

کی ہوا بھی کھا آئے ہیں ۔۔۔ اپنی عورتوں کو ان کی عورتوں کے سے لباس اور زیور پہنانے شروع کر دیے ہیں جب کہ یہ جاٹ اور گوجر خود بھی اپنے ساتھ راجپوتوں کے ایسے ہی سلوک کی تلخی محسوس کرتے ہیں، مگر پھر بھی انھوں نے اس بات کو اپنی توہین قرار دیا کہ چمار اٹھ کر معاشرت میں ان کے ہمسر بنیں۔ چنانچہ مجموعی طور پر ان کی برادری نے زور لگانا شروع کر دیا کہ ان غریبوں کو زبردستی اسی پستی میں پھینک دیں جس سے وہ اٹھنا چاہتے ہیں۔

معاشی نظام بھی بڑی حد تک اسی سماجی نظام کی ترتیب پر قائم ہے اور اس کے قدیم ظالمانہ پہلوؤں پر جدید سرمایہ داری کی خصوصیات کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ جو طبقے قدیم اجتماعی نظریات اور مابعد الطبیعی فلسفوں کی مدد سے اوپر کی سیڑھیوں پر متمکن ہو چکے ہیں انھوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے کہ ملک کی تمدّنی زندگی میں برتری کو اپنے لیے مخصوص کر لیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہی ملک کی دولت اور اس کے وسائل و ذرائع پر بھی قابض ہو گئے ہیں اور نیچے کی سیڑھیوں پر رہنے والی عام آبادی کے لیے انھوں نے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں چھوڑی ہے کہ وہ ذلت کے ساتھ ان کی خدمت اور مزدوری کریں۔ اس معاشی نظام میں محروم اور محنت پیشہ طبقوں کے ساتھ جو بے انصافیاں اور زیادتیاں پائی جاتی ہیں ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ پھر اونچے طبقوں نے خود اپنے دائرے میں بھی بغی و ظلم کی بہت سی شکلیں اختیار کر رکھی ہیں جن کی بنا پر کم لوگ خوشحال اور زیادہ لوگ بدحال ہیں۔ ان کی سود خواری، ان کا

مشترک خاندانی جائداد کا طریقہ (JOINT FAMILY SYSTEM) ان کا توریثِ اولادِ اکبر کا قانون (LAW OF PRIMOGENITURE) اور اسی طرح کے اور بہت سے طریقے ایسے ہیں جو دولت اور اس کے ذرائع کو سمیٹ کر چند کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں اور بہت سوں کو محروم اور دست نگر بنا دیتے ہیں۔ انہی طریقوں سے جن ہاتھوں میں دولت سمٹی ہے وہ اب جدید سرمایہ داری کے ڈھنگ اختیار کر کے ملک کی صنعت، تجارت اور مالیات پر مسلط ہوئے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔

اب جو سیاسی نظام بنایا جا رہا ہے اس کی تصنیف میں کاغذ پر تو بلاشبہ جمہوریت، اجتماعی انصاف (SOCIAL JUSTICE) مساوات اور مواقع کی یکسانی (EQUAL OPPORTUNITIES) کے بڑے بڑے نفیس تصورات بہت ستھری اور دلکش زبان میں رقم کیے جا رہے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان الفاظ کی اصل قیمت ان کے تلفظ میں نہیں، ان پر واقعی عمل درآمد میں ہے۔ عملاً جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اس سیاسی نظام کی تشکیل، تعمیر اور تنفیذ کے سارے کام پر وہی طبقے حاوی ہیں جو سماجی اور معاشی نظام کی اوپر والی سیڑھیوں پر تشریف فرما ہیں ــ نہیں، بلکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور تجربہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ان طبقوں کو خدا نے سب کچھ دیا ہے مگر بڑا دل، وسیع نظر اور فراخ حوصلہ نہیں دیا۔ ان کی تنگ دلی اب تک بھی ہندوستان کو بہت کچھ نقصان پہنچا چکی ہے اور آئندہ بھی اسے دیکھتے ہوئے مشکل سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ

اپنی سیاسی طاقت کو واقعی انصاف قائم کرنے میں استعمال کریں گے۔

یہ حالات اپنے اندر اتنی تلخیاں رکھتے ہیں جنھیں ملک کی عام آبادی شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہے۔ اب تک قوم پرستی کے نشے نے اس احساس کو بڑی حد تک دبائے رکھا تھا، اور لوگ اس امید پر جی رہے تھے کہ ملک کا انتظام جب ہمارے ہاتھ میں آجائے گا تو یہ بے انصافیاں ختم ہو جائیں گی۔ اب انتظام کے اختیارات جب فی الواقع اہل ملک کی طرف منتقل ہو جائیں گے تو یہ سوال زیادہ دیر تک نہ ٹل سکے گا کہ ان اختیارات کو آئندہ کس طرح استعمال کیا جائے جس سے ملک میں حقیقی انصاف قائم ہو۔ ہندوستان کے مستقبل کی باگیں اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں آرہی ہیں وہ ہندو کلچر کی سابق روایات کے ساتھ مغربی یورپ اور امریکہ کے طریق زندگی کا جوڑ لگاتے نظر آتے ہیں۔ یہ میرا اندازہ اگر صحیح ہے تو اس طرح وہ ایک نمائشی جمہوریت، ایک ظاہری مساوات اور ایک نظر فریب عدل قائم کرنے میں تو ضرور کامیاب ہو جائیں گے مگر اس کی تہ میں بدستور وہی بے انصافیاں، وہی ناہمواریاں اور وہی تفریقیں برقرار رہیں گی جو اس وقت پائی جاتی ہیں، کیوں کہ تفریق و امتیازات ہندو کلچر کی رگ رگ میں پیوست ہے جس کے ہوتے کسی حقیقی جمہوریت کا قیام غیر ممکن ہے، اور اس کے ساتھ مغربی نظریات کا جوڑ لگنے سے اس کے سوا کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں کی جا سکتی کہ اونچے طبقوں کی برتری و سرمایہ داری کو الکشنوں اور ووٹوں کے ذریعہ سے سندِ جواز مل جائے۔

اسی لیے یہ امر قریب قریب یقینی نظر آتا ہے کہ یہ لوگ بہت جلد ہی ہندوستان کی عام آبادی کو مایوس کر دیں گے۔ ان کے ہاتھوں انصاف قائم نہ ہو سکے گا، اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرنے پائے گی کہ ہندوستانی عوام، کسان، مزدور، اور خود اونچے طبقہ کے محروم لوگ کسی دوسرے منصفانہ نظام کی طلب میں بے چین ہونے لگیں گے۔

اشتراکی گروہ اسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ جونہی کہ موجودہ قوم پرستی اپنے مدّعا کو پہنچنے کے بعد مضمحل ہوئی، وہ اسی طبقاتی خلل اور اسی تصادم اغراض کے شگافوں میں سے اپنا راستہ نکالنے کی کوشش کرے گا اور عام باشندوں کو انصاف کی امیدیں دلا کر سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہے گا۔ مگر اس گروہ کے پاس ان بے انصافیوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی ایسا پروگرام نہیں ہے جو خود ظلم سے، بے انصافی سے، کشت و خون اور فساد سے اور بالآخر جباری و قہاری سے پاک ہو۔ وہ ہندوستان کو موجودہ فرقہ وارانہ منافرت اور نزاع کی جگہ طبقہ وارانہ منافرت اور نزاع کا تحفہ دے گا۔ اب تک جہاں ہندو اور مسلمان کے جھگڑے کی بنا پر لوگ ایک دوسرے کے سر پھاڑتے اور گھر جلاتے رہے ہیں وہاں اب روٹی کے جھگڑے کی بنا پر وہی لوگ کشت و خون کرنے لگیں گے۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کے خلاف اسی طرح نفرت اور غصّے سے بھڑک اٹھے گا جس طرح آج ایک فرقہ دوسرے فرقے کے خلاف بھڑکا ہوا ہے۔ فرقہ پرستی اور قوم پرستی کی جگہ طبقاتی مفاد کی پرستاری لے لے گی اور انصاف کے

حقیقی جذبہ سے دل جس طرح آج قومی جنگ کے زمانے میں خالی ہیں اسی طرح اس وقت طبقاتی جنگ کے زمانے میں بھی خالی ہوں گے۔ برسرِ اقتدار طبقے محروم طبقوں کو محروم رکھنے کے لیے لڑیں گے، اور محروم طبقے ان کی جگہ لے کر الٹا انھیں محروم کر دینے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔ اس طرح ہندوستان ایک مدت تک امن کی صورت کو ترستا رہے گا، اور آخرکار اگر خدانخواستہ اشتراکی انقلاب کامیاب ہو گیا تو مزید ایک طویل مدت تک یہاں روس کی طرح اونچے طبقوں کو ان کی زمینوں، جائدادوں اور کارخانوں سے بے دخل کرنے کے لیے سخت کشت و خون اور ظلم و جور کا بازار گرم رہے گا۔ پھر اشتراکی نظام قائم ہو جانے کے بعد ویسی ہی ڈکٹیٹرشپ یہاں بھی قائم ہو گی جیسی روس میں ہے۔ اسی طرح ملک کی پوری آبادی کو ایک جابرانہ اور ہمہ گیر (TOTALITARIAN) اقتدار کے شکنجے میں کس دیا جائے گا، اسی طرح لوگ زبان اور قلم اور خیال کی آزادی سے محروم ہو جائیں گے، اسی طرح تمام لوگوں کا رزق چند لوگوں کے ہاتھ میں آجائے گا، اور ــــــ بندگانِ خدا کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ رہے گی کہ اس نظام کی سختیوں سے دل برداشتہ ہوں تو کچھ چیخ پکار کر لیں، یا اس حالت کو بدلنے کے لیے کوئی سیاسی تنظیم اور اجتماعی کوشش کر سکیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر اس اشتراکی انقلاب سے جو نقصان ہندوستان کو پہنچے گا وہ یہ ہے کہ پچھلی صدیوں کے انحطاط کے باوجود تھوڑی بہت روحانی اور اخلاقی قدریں ہندوستان کی تہذیب میں باقی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی اور یہ ملک سراسر ایک مادہ پرست

ملک بن کر رہ جائے گا۔

اس انجام سے اگر کوئی چیز ہندوستان کو بچا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ کوئی گروہ ایک ایسے نظام فکر و عمل کو لے کر اٹھے جس میں اعلیٰ درجہ کی اور حقیقی روحانی اور اخلاقی قدریں بھی ہوں، سچائی اور بے لاگ اجتماعی انصاف بھی ہو، اصلی جمہوریت — محض سیاسی ہی نہیں بلکہ تمدنی و معاشرتی جمہوریت (SOCIAL DEMOCRACY) بھی ہو، اور تمام باشندگانِ ملک کے لیے بلا امتیاز طبقہ و نسل انفرادی و اجتماعی حیثیت سے ترقی کے یکساں مواقع بھی ہوں۔ جو ایک یا چند طبقوں کے مفاد کو نہیں بلکہ سب انسانوں کے مفاد کو یکساں ہمدردی اور انصاف کی نظر سے دیکھے، کسی کا حمایتی اور کسی کا دشمن نہ ہو، طبقوں اور گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے اور لڑانے کے بجائے ایک مبنی بر انصاف نظامِ زندگی پر انھیں متحد کرے، محروم طبقوں کو وہی کچھ دلائے جو ان کا فطری حق ہے اور اونچے طبقوں سے صرف وہی کچھ لے جو ان کے پاس ان کے فطری حقوق سے زائد ہے۔ ایسے ایک نظام کو اگر ملک کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کو پیش کرنے والے وہ لوگ ہوں جن کی سیرت اور اخلاق پر اعتماد کیا جا سکے جو خود کسی قسم کی قومی یا طبقاتی یا ذاتی خود غرضی میں مبتلا نہ ہوں، جن کی اپنی زندگیاں اس بات پر گواہ ہوں کہ درحقیقت انھیں سے انصاف کی امید وابستہ کی جا سکتی ہے، اور جن میں دیانت اور

انتظام دنیا کی صلاحیت دونوں جمع ہوں، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے باشندے اس نظام کے مقابلہ میں اشتراکی انقلاب کے راستہ کو ترجیح دیں۔ اشتراکی انقلاب تو ایک آپریشن ہے جو مرض کے ساتھ تندرستی کے بھی ایک بڑے حصے کو کاٹ پھینکتا ہے، اور انسان اُسے صرف ایسی مجبوریوں کی حالت ہی میں گوارا کیا کرتا ہے جب دوا سے مرض کی اصلاح ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہے دنیا میں جہاں بھی کسی ملک کے لوگوں نے اس آپریشن کے طریقے کو اختیار کیا ہے اسی وجہ سے کیا ہے کہ ان کے سامنے ظالمانہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان کوئی تیسرا ایسا راستہ تھا ہی نہیں جس میں وہ ان دونوں کی خرابیوں سے بچ کر انصاف پا لینے کی امید کر سکتے۔ اگر اس قسم کا تیسرا راستہ پیش کر دیا جائے، جیسا کہ پیش کرنے کا حق ہے — تو نہ ہندوستان کے لوگ ایسے پاگل ہیں اور نہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی آبادی ہی کو اس قدر دیوانہ فرض کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ وہ ایک کارگر دوا کو آزمانے کے بجائے خواہ مخواہ آپریشن ہی پر اصرار کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان یہ تیسرا راستہ پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پیش کر سکتے ہیں اور اس تیسرے راستے کا نام اسلام ہی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مستقبل کے ہندوستان میں اشتراکیت کے بالمقابل اسلام کے لیے کامیابی کے کم از کم ۶۰ فیصدی امکانات ہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی اور سخت نالائقی ہوگی کہ ان کے پاس

اسلام جیسا ایک کامل اور صحیح نظام موجود ہو اور پھر وہ اسے لے کر اٹھنے کے بجائے پورا میدان اشتراکیت کے لیے چھوڑ دیں۔

اب میں آپ کو مختصر طور پر یہ بتاؤں گا کہ ہندوستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔

۱۔ سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اُس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے لڑتے رہے۔ مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہے۔ اب یہ نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل کو بالکل بدل دیں۔ اسمبلیوں میں نمائندگی کے تناسب کا سوال، یہ انتخابات کی دوڑ دھوپ، یہ ملازمتوں کے لیے کش مکش، اور یہ دوسرے قومی حقوق اور مطالبوں کے لیے چیخ پکار آئندہ دور میں لاحاصل ہوگی اور نقصان دہ بھی۔ لاحاصل اس لیے کہ اب جن لوگوں کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت آرہی ہے وہ مخلوط انتخابات اور ملازمتوں میں صرف "قابلیت" کے لحاظ کا اصول مقرر کر کے مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی ہستی کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کے فیصلے کو نافذ ہونے سے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا۔ نقصان دہ اس لیے کہ اِن "حقوق" کے استقرار کی جتنی کوشش بھی مسلمان کریں گے وہ ہندوؤں کے قومی تعصب کو اور زیادہ مشتعل کرے گی، اور اگر وہ اپنی شکایات کو رفع کرانے کے لیے

پاکستان کی مدد حاصل کرنا چاہیں گے تو یہ بین الاقوامی پیچیدگی اور کش مکش کا سبب بن جائے گا، جس سے ہندو قوم پرستی کو زندگی کی مزید طاقت مل جائے گی۔ لہٰذا اب ہمیں وسیع پیمانے پر مسلمانوں میں ایسی رائے عام تیار کرنی چاہیے کہ وہ بحیثیت ایک قوم کے حکومت اور اس کے نظام سے بے رخی اختیار کر لیں اور ہندو قوم پرستی کو اپنے طرزِ عمل سے یہ اطمینان دلا دیں کہ میدان میں کوئی دوسری سیاسی قومیت اس کے ساتھ کش مکش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے اس غیر معمولی تعصب کو ختم کر دینے کا جو اس وقت غیر مسلم اکثریت کے اندر اسلام کے خلاف پیدا ہو گیا ہے، اور اسی طریقے سے غیر مسلموں کے اس اندیشے کو بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام کو مزید اشاعت کا موقع دیا گیا تو کہیں پھر کسی علاقے کے مسلمان ایک اور پاکستان مانگنے کے لیے کھڑے نہ ہو جائیں۔

۲۔ دوسرا اہم کام ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر اسلام کا علم پھیلائیں، ان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا عام جذبہ پیدا کر دیں، اور ان کی اخلاقی و تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اس حد تک اصلاح کر لیں کہ ان کے ہمسایہ غیر مسلموں کو خود اپنی سوسائٹی کی بہ نسبت ان کی سوسائٹی صریحاً بہتر محسوس ہونے لگے اور ان میں سے جو لوگ بھی اس سوسائٹی میں شامل ہونے کے لیے آمادہ ہوں، خواہ وہ کسی طبقے کے ہوں، ان کو بالکل مساویانہ حیثیت سے اپنے اندر لیا جا سکے۔ یہ کام برسوں کی اَن تھک اور لگاتار محنت چاہتا ہے، مگر جب تک ہم مسلم سوسائٹی کے

ایک بڑے حصّہ کو علمی و عملی اور معاشرتی حیثیت سے اسلام کا صحیح نمائندہ نہ بنالیں ہمارا یہ امید کرنا محض ایک بوالفضولی ہے کہ ہندوستان کی عام غیر مسلم آبادی کی رائے کو اسلام کے حق میں ہموار کیا جاسکے گا۔ غیر مسلموں کے سامنے آپ کاغذ پر یا تقریر میں اسلام کو کیسے ہی دلپذیر انداز سے پیش کریں۔ بہر حال وہ ان کو اپیل نہیں کر سکتا کیوں کہ اسلام کے اصلی نمائندوں کا جو تجربہ انھیں رات دن کی زندگی میں ہو رہا ہے وہ آپ کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا۔ پھر اگر ان میں کوئی ایسا حق پسند نکل بھی آئے کہ مسلمانوں کے بجائے اسلام کو دیکھ کر اسے قبول کرلے، تو موجودہ مسلم سوسائٹی میں اس کا کھپنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہاں ابھی تک قدیم ہندوانہ جاہلیت کے موروثی تعصبات، اونچ نیچ کے امتیازات، ذات برادری کے تفرقے اسلام میں آجانے کے باوجود جوں کے توں محفوظ ہیں اور اس بنا پر ایک نومسلم کو پھر انھی معاشرتی خرابیوں سے سابقہ پیش آتا ہے جنھیں چھوڑ کر وہ ہندو سوسائٹی سے نکلا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کی ـــ اگر سب کی نہیں تو کم از کم ان کے ایک معتدبہ حصّہ کی ـــ اخلاقی، تمدّنی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے بغیر دعوتِ اسلامی کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ محض نومسلموں سے ہم ایک الگ سوسائٹی بنا سکیں۔ اس اصلاح میں اگر ہم کہیں کسی حد تک بھی کامیاب ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اسلام سے عام واقفیت بھی پیدا کردیں اور ان کے اندر یہ جذبہ بھی ابھار دیں کہ رات دن کی زندگی میں ان کو ہر جگہ غیر مسلموں ـــ سے جو

سابقہ پیش آتا ہے اس میں وہ حسبِ موقع ان کے سامنے اسلام کو پیش کرتے رہیں، تو دعوت کی رفتار اتنی تیز ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں کوئی دوسری تحریک اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد چار پانچ کروڑ کے قریب ہے۔ اس تعداد کا بیسواں حصہ بھی اگر اسلام کو جانتا ہو اور اس کی تبلیغ شروع کردے، تو اسلام کے مبلغوں کی تعداد ۲۵،۲۰ لاکھ کے لگ بھگ ہوگی۔ کیا دوسری تحریک ایسی موجود ہے جس کے پاس اتنے مبلغ ہوں؟ پھر مسلمان ہندوستان کی آبادی میں کھچڑی کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ ملے جلے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ہر جگہ ہر وقت انھیں دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے اور اپنے برتاؤ کا اثر ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ کیا کسی دوسری تحریک کو یہ مواقع حاصل ہیں؟ پھر دوسری کسی تحریک کی اپنی کوئی مستقل سوسائٹی اور اپنا کوئی تمدنی نظام نہیں ہے۔ ان کے دامن میں پناہ لے کر ہندوستان کے بسنے والے اور دبے ہوئے طبقے کچھ اپنے پیٹ کے مطالبے تو پورے کرسکتے ہیں مگر اپنی معاشرتی زندگی کی مشکلات اور خرابیاں رفع نہیں کرسکتے۔ بخلاف اس کے مسلمان اپنی ایک مستقل سوسائٹی رکھتے ہیں جو اگر ہمارے نصب العین کے مطابق کچھ بھی اصلاح یافتہ ہوجائے تو تمام ان لوگوں کے لیے پوری پناہ گاہ بن سکتی ہے جنھیں معاشرتی زندگی میں پست بنا کر رکھ دیا گیا ہے، یا جن کو جاہلی نظامِ تمدن و معاشرت کی دوسری خرابیوں نے پریشان کردیا ہے۔

۳۔ تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہم اس ملک کی ذہنی طاقت کا زیادہ

سے زیادہ حصّہ اپنی اس دعوت کے لیے فراہم کریں اور اس سے باقاعدگی کے ساتھ کام لیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے ان مقاصد میں ناکام ہو چکا ہے جن پر اس نے اب تک نظر جما رکھی تھی۔ اس ناکامی کا شعور حاصل ہوتے ہی اس پر یاس طاری ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس موقع پر اگر ان کے سامنے ایک روشن نصب العین امیدوں اور بشارتوں کے ساتھ آئے تو وہ ان کے ایک بڑے حصّہ کی توجہات اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اس طرح جیسے جیسے ہماری دعوت کو یہ طاقت حاصل ہوتی جائے، ہم چاہتے ہیں کہ اُسے ان نتیجہ خیز کاموں پر لگایا جاتا رہے جو اسلامی انقلاب کو قریب تر لا سکیں۔ مثلاً ہم مسلمانوں کی اخبار نویسی کے موجودہ رجحانات کو بالکل بدل دینا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ بہتر قسم کے اہلِ قلم اب انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کریں اور ان میں حقوق کی چیخ پکار، ملازمتوں کے فیصدی تناسب پر شور و غل اور محکموں میں ہندو گردی پر واویلا کرنے کے بجائے رائج الوقت نظام پر اصولی تنقید کریں، اس کی خامیوں کا ایک ایک پہلو نمایاں کر کے پبلک کو دکھائیں اور اس سے بہتر ایک نظامِ زندگی پیش کر کے رائے عام کو اس کے حق میں ہموار کریں۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان ادیب اربابِ نشاط کا پیشہ چھوڑ کر اپنی ادبی قابلیتوں کو ایک اعلیٰ درجہ کا تعمیری ادب پیدا کرنے میں صرف کریں جو انسانیت کے شعور کو بیدار کرے اور ذہنوں میں ایک صالح نظام کے لیے تڑپ پیدا کر دے پھر جن لوگوں کو خدا نے زیادہ بلند درجہ کی

دماغی صلاحیتیں دی ہیں ان کو ہم دنیا کی ذہنی امامت کا راستہ دکھانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن کی مشعل ہاتھ میں لے کر علم کے ہر گوشے اور مسائلِ حیات کے ہر پہلو کا جائزہ لیں اور تحقیق و کاوش کے ساتھ اسلامی نظامِ زندگی کی پوری تصویر دنیا کے سامنے پیش کر دیں جسے دیکھ کر آپ بہ آسانی یہ معلوم کر سکیں کہ اگر دنیا کا انتظام اس نظام کے مطابق ہو تو اس کی تفصیلی صورت کیا ہو گی۔ ان سب کے علاوہ اسی اہل دماغ طبقہ میں سے وہ لوگ بھی نکل سکتے ہیں جو لیڈر شپ کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اسلامی دعوت کو ایک عمومی تحریک بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں کو اس کی رہنمائی کا منصب سنبھالنے کے لیے تیار کیا جائے۔

۴۔ چوتھا ضروری کام یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن اور وہ تمام لوگ جو آئندہ ہماری تحریک سے متاثر ہوں، ہندوستان کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تقریر و تحریر کی قابلیت بہم پہنچائیں جو آئندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں۔ اور اس امر کی انتہائی کوشش کریں کہ ان زبانوں میں جلدی سے جلدی اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کر دیا جائے۔ جنوبی ہند میں تامل، تلنگی، کنڑی، ملیالم اور مرہٹی، مغربی ہند میں گجراتی، مشرقی ہند میں بنگلہ اور باقی ہندوستان میں ہندی اب تعلیم کی زبانیں ہوں گی۔ یہی اپنے اپنے علاقوں میں دفتری اور سرکاری زبانیں بھی ہوں گی اور انہی میں ملک کا لٹریچر شائع ہو گا۔ اگر مسلمان اپنی قومی عصبیت کی بنا پر صرف اردو تک اپنی تحریر و تقریر کو محدود رکھیں گے تو ملک کی عام آبادی سے بیگانہ ہو کر رہ جائیں گے

اور ان کے پاس اپنے کروڑوں ہمسایوں کو اپنا ہم خیال بنانے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا۔ بلاشبہ ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اردو زبان نہ صرف باقی رہے بلکہ فروغ پائے۔ کیوں کہ ہمارا اب تک کا سارا سرمایۂ علم و تہذیب اسی زبان میں ہے، لیکن ہم اسلام کے مستقبل کو اردو زبان کے دامن سے باندھ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر اردو زبان ملک کی عام زبان نہیں بن سکتی، اور آثار یہی بتا رہے ہیں کہ اس کو یہ حیثیت حاصل نہ ہو گی، تو پھر جن جن زبانوں کو ملک میں رواج حاصل ہوگا، ہم ان سب میں اسلام کا لٹریچر مہیا کریں گے اور ان سب کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے، ایسا کرنا محض غیر مسلموں ہی کی خاطر نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو بھی مسلمان رکھنے کی خاطر ضروری ہے، کیوں کہ آگے چل کر مسلمان بچے درسگاہوں میں تعلیمی زبان اور درسگاہوں سے باہر سرکاری اور ملکی زبان سے اسقدر متاثر ہوں گے کہ اردو سے ان کا تعلق برائے نام رہ جائے گا، اور اگر ان زبانوں میں کافی اسلامی لٹریچر نہ ملا تو وہ بالکل اکثریت کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں گے۔

یہ چار کام ایسے ہیں جن پر ہمیں آئندہ پانچ سال میں اپنی پوری قوت صرف کرنی ہے۔ بعد کے مراحل میں اسلامی انقلاب کو آگے بڑھانے کے لیے جو کچھ کرنا ہوگا، اس کا ذکر اس وقت فضول ہے۔ اس کا جب موقع آئے گا تو حسبِ ضرورت ہدایات جاری کر دی جائیں گی۔ مگر خوب سمجھ لیجیے کہ آگے کے کسی پروگرام کی نوبت اس وقت تک آہی نہیں سکتی جب تک یہ چار کام کسی معتدبہ

حد تک انجام نہ پائیں۔ اس لیے ہندوستان میں ہمارے ارکانِ جماعت اور کارکن ہمدردوں کو اپنے تمام ذرائع اور اپنی پوری قوتِ کار اور اپنی ساری فکر و توجہ اس ابتدائی پروگرام پر صرف کر دینی چاہیے۔ اب وہ وقت ہے کہ آپ اس کا ایک لمحہ بھی اگر تساہل میں ضائع کریں گے تو جرم کریں گے۔ جس طوفان کی میں دس سال سے خبر دیتا رہا ہوں وہ امنڈ آیا ہے۔ اب اگر آپ نے اس کے تدارک کی فکر نہ کی تو یہ سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کو بھی لے ڈوبے گا۔ جو حالات اب اس ملک میں پیش آنے والے ہیں وہ آپ کے صبر کا، آپ کے عزم کا، آپ کے استقلال کا، آپ کی حکمت و دانائی کا اور آپ کی عملی طاقت کا سخت امتحان لیں گے۔ آپ کے ایک طرف دجّال کی جنّت ہوگی جس میں داخل ہونے اور مدارجِ عالیہ پر چڑھنے کے لیے شرط لازم ہوگی کہ تیز سے تیز قوتِ شامہ رکھنے والے شخص کو بھی آدمی کے اندر سے اسلامیت اور اسلامی غیرت کی ذرا سی بُو تک محسوس نہ ہو سکے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ آپ کے گردوپیش بہت سے مسلمان اپنی دنیوی نجات کی خاطر اس شرط کو پورا کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ آپ کے دوسری جانب ہتھوڑے اور درانتی کا جھنڈا بلند ہوگا اور اس کے سایہ میں ایک دوسری جنّت شداد کا خیالی نقشہ پیش کیا جائے گا جس کے عاشقوں کو قسم دی جائے گی کہ خداپرستی اور دیانت و اخلاق سے اپنے دلوں کو خالی رکھیں۔ آپ کی آنکھیں یہ بھی دیکھیں گی کہ دنیا کے بھوکے مسلمانوں کا ایک جمِ غفیر اس کی طرف دوڑ رہا ہوگا۔ ان دو جھوٹی جنّتوں کے درمیان آپ اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر کھڑا پائیں گے جہاں اسلام پر جمنے والوں اور اس کے لیے کام کرنے والوں کو ترقی و خوشحالی تو درکنار،

زندگی کا سامان بھی مشکل ہی سے میسر آئے گا۔ ان کو ہر ہر قدم پر ہمت شکن حالات سے سابقہ پڑے گا۔ ان کی غیرتِ اسلامی اور عزتِ نفس کو ہر وقت چرکے لگیں گے۔ شعائرِ اسلامی کو وہ نہ صرف مٹتے دیکھیں گے بلکہ ان کی اہانت بھی علانیہ ہوگی اور بعید نہیں کہ مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں ہو۔ ان حالات میں صرف وہی لوگ اسلامی انقلاب کے لیے کام کر سکیں گے جو غیر معمولی صبر و ثبات، انتہائی سرگرمی، اور غایت درجہ کی حکمت و دانش مندی سے بہرہ ور ہوں۔ یہ تین خصوصیات اگر آپ اپنے اندر پیدا کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طوفان کا رُخ پھیر دینے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی۔ اب اپنے دلوں کے فرق اور مزاجوں کے اختلاف کو رفع کر کے ایک بنیانِ مرصوص بن جائیے تاکہ آپ کی پوری اجتماعی طاقت اس کام میں صرف ہو۔ اب اپنے شحِ نفس کا استیصال کر ڈالیے کیونکہ اس کام کے لیے آپ کو باہر سے ذرائع نہ ملیں گے بلکہ سارے ذرائع آپ کو اپنے اندر ہی سے فراہم کرنے پڑیں گے اب اپنے ان سب مشاغل اور دل چسپیوں کو ختم کر دیجیے جن کے اندر آپ کے وقت اور فکر کا کوئی حصّہ اس کام سے ہٹ کر صرف ہوتا ہو، اور ناگزیر معاشی ضروریات کے ماسوا اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اسی کام کے لیے وقف رکھیے۔ آپ کی مٹھی بھر جماعت کو آئندہ پانچ سال میں۔ ایسے پانچ سال جو اسلام اور مسلمانوں اور خود آپ کے حق میں فیصلہ کن ہیں۔ بہت بڑا کام کرنا ہے۔ اتنا بڑا کام جو پہاڑ کھود کر جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ آپ کو مسلمانوں کی رائے عام اور ان کے قومی رویے کا رُخ بدلنا ہے۔ آپ کو عامۂ مسلمین کی اعتقادی، اخلاقی اور تمدنی اصلاح کرنی ہے۔ آپ کو مسلمانوں کے اہلِ دماغ طبقے میں نفوذ کرنا اور

اسے ذہنی و عملی انتشار سے بچا کر اسلامی انقلاب کی راہ پر لگانا ہے۔ آپ کو ملک کے مختلف حصوں کی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا انتظام کرنا ہے اور یہ سارے کام محض خدا کے بھروسے اور اپنے بوتے ہی پر کرنے ہیں کہیں سے کوئی مدد ملنے یا ہمّت افزائی ہونے کی امید نہیں ہے۔ اگر آپ کمر ہمّت باندھکر کھڑے نہ ہوں گے اور پورے انہماک کے ساتھ اپنی ساری اجتماعی طاقت صرف نہ کریں گے تو یہ کام کیسے انجام پائیں گے۔ اللہ سے جو عہد کر کے آپ جماعت میں داخل ہوئے ہیں اسے یاد کیجیے، اپنے ایمان کی طاقت کو تازہ اور مضبوط کیجیے، اور صرف اللہ کی مدد کے بھروسے پر کام کے لیے آگے بڑھیے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے رب کی خوشنودی کے لیے جب کام کریں گے تو وہ بھی آپ کو ایسے ایسے راستوں سے مدد پہنچائے گا جدھر آج آپ کا گمان بھی نہیں جا سکتا۔